مسئلہ فلسطین

امریکہ نے مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لیے جو قدم 1948ء میں فلسطینی علاقے میں اسرائیلی قوم کو ایک خواب دیکھا کہ اُن کا ایک الگ وطن اسرائیل ہونا چاہیے۔ وہ آج 2011ء تک اس میں کامیاب نہیں ہوا۔

مسلمانوں کا قبلہ اوّل یعنی مسجد اقصیٰ، یہودیوں کی دیوار گریہ، ہیکل سلیمانی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اسی سرزمین میں ہوئی۔ اور کئی دوسری اقوام کے لیے فلسطین ارضِ مقدس کہلاتا ہے، یہ اس لحاظ سے ایک منفرد ملک ہے کہ سب سے زیادہ انبیاء اسی سرزمین پر اُترے۔ بیت المقدس (یروشلم) مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے لیے ایک متبرک مقام ہے۔

فلسطین کا رقبہ 10162 مربع میل ہے، اس کے مشرق میں بحر اسود، شمال میں شام اور لبنان اور جنوب میں مصر ہے۔ مشرق میں اُردو کا ملک بھی فلسطین سے ملتا ہے، تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف قومیں یہاں حکمران رہیں، مسلمانوں نے عہد فاروقی میں بیت المقدس کو فتح کیا، اس زمین پر عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان مشہور زمانہ صلیبی جنگیں بھی لڑی گئیں اور ان جنگوں میں سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس ٹھہرے۔ 1516ء میں یہ عثمانی خلافت کے زیر نگیں آیا اور 1914ء میں ہونے والی پہلی جنگ عظیم تک اور ترکی کے خلافت کے زوال تک یہ خلافت عثمانیہ کے تحت تھا۔

پہلی جنگ عظیم میں خلافت عثمانیہ کمزور پڑ گئی اور جنگ کے بعد قائم ہونے والی تنظیم لیگ آف نیشنز نے برطانیہ کو فلسطین کے معاملات کا نگران بنا دیا۔

1947ء میں اعلان بالفور کے ذریعے برطانیہ نے یہودیوں کے لیے ایک الگ ملک (اسرائیل) کے قیام کی اجازت دی اور یہودی مؤقف کی حمایت کی۔

خلافت عثمانیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روس، فرانس، جرمن آبادکاروں نے فلسطین میں کئی بستیاں آباد کیں۔ ان آبادکاروں کی اکثریت یہودیوں پر مشتمل تھی۔ 1896ء میں ایک یہودی تھیوڈ ہرزل نے ایک منشور پیش کیا تھا جو کہ دراصل ایک آزاد اسرائیلی ریاست کا خاکہ تھا۔ انہیں عزائم کے تحت یہودیوں نے یورپی ممالک میں کلیدی شعبوں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھایا اور متحد ہو کر ایک یہودی ریاست کے قیام کے لیے کوشاں ہو گئے، مسلم دشمن کے پیش نظر عیسائی یورپ ممالک خصوصاً برطانیہ اور فرانس کی مکمل حمایت اور پشت پناہی انہیں حاصل تھی۔

اس خطے میں یہودیوں کی آبادکاری اور ہجرت کے حوالے سے ثروت صولت لکھتی ہیں:

''1907ء سے 1908ء تک فلسطین کی طرف سے یہودیوں کی ہجرت جاری رہی، پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانیہ نے عرب ممالک کی امداد اور حمایت حاصل کرنے کے لیے مکہ شریف سے جولائی 1915ء میں بات چیت شروع کی۔ 14 جولائی 1915ء کو شریف حسین نے وہ شرطیں پیش کر دیں جن کی بناء پر وہ مشرکوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے لیے تیار تھے۔ 30 جون 1916ء کو برطانیہ نے شریف حسین کی تجاویز منظور کر لیں۔ 2 نومبر 1917ء کو برطانیہ کے وزیر خارجہ آرتھر جیمز بالفور (1848ء۔1930ء) نے برطانیہ میں مقیم یہودیوں کی فیڈریشن کے چیئرمین لارڈ والٹھن چائیلڈ کے نام ایک خط روانہ کیا جسے اعلان بالفور کا نام دیا گیا تھا، اس میں یہودیوں کے لیے ایک قومی وطن کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ چنانچہ دسمبر 1933ء میں 30 ہزار، 1934ء میں 42 ہزار اور 1935ء میں 61 ہزار یہودی باہر سے لا کر بسائے گئے۔ 1935ء میں عربوں کے احتجاج پر ان کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ 8 جولائی 1937ء کو پیل کمیشن کی رپورٹ شائع ہوئی۔ اس میں فلسطین کو تین حصوں (1) یہودی (2) برطانوی حکمداری کا علاقہ اور (3) عرب ریاست میں تقسیم کرنے کی سفارش کی گئی تھی جتنے یہودی کی عالمی مجلس صیہونی کانگرس نے 12 اگست 1937ء کو منظور کر لیا۔ عربوں نے کہا: برطانوی حکمداری کو ختم کیا جائے اور فلسطین کو ایک آزاد مملکت بنایا جائے اور جو یہودی فلسطین آ چکے ہیں، انہیں فلسطینی عرب ریاست میں اقلیت کا درجہ دے دیا جائے۔ 24 جنوری 1938ء کو حکومت برطانیہ نے تقسیم کی تجاویز کے دستور کا اعلان کر دیا اور سر جان وڈ ہیڈ کی سرکردگی میں ایک نیا کمیشن مقرر کیا''۔

(ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ از ثروت صولت، ص ۸۳)

1939ء سے 1945ء تک دوسری جنگ عظیم لڑی گئی جس میں ہٹلر نے جرمنی میں یہودیوں کا عام کشت و خون کیا اور یہ قوم وہاں سے بھاگ کر جرمنی کے مخالف ممالک میں پہنچ کر نئی سازشوں میں مصروف ہو گئی خصوصاً بڑی عالمی طاقت امریکہ میں اپنی ایک مضبوط لابی قائم کر لی۔ جنگ ختم ہوئی تو عالمگیر امن کے لیے انجمن اقوام متحدہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔

اقوام متحدہ شروع ہی سے بڑی طاقتوں اور یورپی ممالک کے کنٹرول میں رہی اور 29 نومبر 1947ء کو اقوام متحدہ نے ایک ایسی قرارداد کی منظوری دی، جس کے تحت فلسطین میں مسلمانوں اور یہودیوں کی دو الگ ریاستوں کا قیام عمل میں آنا تھا۔ لیکن برطانیہ کی پشت پناہی سے 14 مئی 1948ء کو فلسطین اور عرب دنیا کے وسط میں خنجر گھونپ دیا گیا اور یہودی ریاست اسرائیل قائم کر دی گئی۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

''اسرائیل کے قیام کے ساتھ ہی وہاں سے فلسطین کے انخلاء کا سلسلہ شروع ہوا۔ اپنے گھر بار چھوڑ کر یہ لوگ ہمسایہ ممالک میں پناہ گزین ہوئے اور کیمپوں میں ابتر زندگی گزارنے لگے۔ 1950ء میں اُردن نے دریائے اردن کے مغربی کنارے پر قبضہ کر لیا حالانکہ یہ فلسطین کا حصہ تھا''۔

(اسلامی بیداری، افکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں، ص ۲۱)

عرب دنیا نے اسرائیل کے قیام کی بہت مذمت کی مگر طاقتور یورپی ممالک اور امریکہ، روس کی پشت پناہی کے باعث عرب ممالک کی مذمت اسرائیل کے قیام، اس کے توسیع پسندانہ عزائم اور فلسطینیوں پر ظلم وستم ختم نہ کروا سکی۔

فلسطین گوریلا مجاہدوں نے اسرائیل کے اندر دور تک کارروائیاں کیں۔ دنیا کے مختلف حصوں میں اہم اسرائیلی اداروں پر حملے کرتے تھے اور جب اپنے مؤقف پر بین الاقوامی توجہ مبذول کرانے کے لیے انہوں نے ایک اسرائیلی طیارہ اغوا کیا تو دنیا میں شور مچ گیا۔ اس مہم میں ایک فلسطینی مجاہدہ لیلیٰ خالد بھی شامل تھی۔

اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو پورا کرنے کے لیے اس نے 1956ء میں برطانیہ اور فرانس کی مدد سے حملہ کر کے آبی گزرگاہ نہر سویز پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، لیکن غیرت ملی سے سرشار مصری افواج نے اس کوشش کو ناکام بنا دیا۔ اسرائیل اور عرب ممالک میں 1967ء میں جنگ چھڑ گئی۔ اس چھ روزہ جنگ میں اسرائیل نے دریائے اردن کے مغربی کنارے، نہر سویز کے مشرقی کنارے، شام میں گولان کی پہاڑیوں اور مصر میں صحرائے سینا پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح بیت المقدس میں واقع مسجد اقصیٰ بھی اسرائیل کے قبضے میں چلی گئی۔

1969ء میں اسرائیل کی طرف سے مسجد اقصیٰ کو نذر آتش کرنے کی مذموم کوشش کی گئی۔ اس حرکت پر پوری اسلامی دنیا میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ مراکش کے دارالحکومت رباط میں مسلمان ملکوں کا اجلاس ہوا، جس نے ایک باقاعدہ تنظیم کی شکل اختیار کر لی۔ یعنی آرگنائزیشن آف اسلامی کانفرنس کا نام دیا گیا اور دنیا بھر میں اپنے حقوق کی جنگ لڑنے والے مسلمانوں کی جدوجہد کی حمایت کا اعلان کیا۔

1969ء میں مسجد اقصیٰ کو نذر آتش کرنے کی ناپاک حرکت سے اسرائیل اور اس کے پشت پناہ پوری دنیا میں رسوا ہوئے۔

PLO اپنے متعین کردہ جنگی اور سیاسی راستے پر چلتی رہی، اس جدوجہد میں بہت سے عوامل رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ خصوصاً عرب ممالک آپس میں نااتفاقی اور عدم تعاون اس مسئلے کے حل میں بہت بڑی رکاوٹ تھے۔ عرب ممالک کی اس روش سے مایوس ہو کر مصر نے امریکہ کی تائید وحمایت سے کیمپ ڈیوڈ کے مقام پر اسرائیل سے معاہدہ کر لیا۔ یہ معاہدہ 5 ستمبر 1978ء کو ہوا، اس معاہدے کی رو سے

(1) مصر اور اسرائیل نے ایک دوسرے کو تسلیم کر لیا۔
(2) اسرائیل دریائے صحرائے سینا کا مقبوضہ علاقہ خالی کرنے پر رضامند ہو گیا۔
(3) اسرائیلی بحری جہازوں کو نہر سویز سے گزرنے کا حق دے دیا گیا۔
(4) مصر اور اردن کے درمیان ہائی وے کی تعمیر کا منصوبہ بھی تسلیم کیا گیا۔

PLO اور پوری اسلامی دنیا نے مصر کے اس اقدام کی مذمت کی اور مصر کو اس پاداش میں اسلامی کانفرنس سے نکال دیا گیا۔ لیکن بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ مصر نے وقت سے پہلے بدلتے ہوئے حالات کا احساس کر لیا تھا۔ اور بعد میں PLO شام اور اردن بھی اسی راہ پر چلے لیکن اس سے پہلے 5 جنوری 1974ء کو PLO اور اردن کے درمیان ایک معاہدہ ہوا، جس کی رو سے اُردن میں فلسطینی علاقے پر PLO کا حق تسلیم کیا گیا۔

یاسر عرفات نے نومبر 1998ء کو الجزائر میں منعقدہ اجلاس میں جلاوطنی فلسطینی ریاست کے قیام کا اعلان کیا، جس کے سربراہ وہ خود تھے۔ 70 سے زائد ممالک نے فلسطینیوں کے اس حق کو مانتے ہوئے اس جلاوطن ریاست کو تسلیم کر لیا۔